سے دور، مقناطیس، رجونتی، ایثار اور قطرے میں طوفان وغیرہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

آپ کے افسانوں میں عبارت آرائی اور شاعرانہ زبان پر خصوصی توجہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس سلسلے سے افسانہ ''قطرے میں طوفان'' کا یہ اقتباس دیکھئے:

> ''جہاں ہونٹ طلوع سے بھی زیادہ باریک ہوتے ہیں جہاں ہوا کے سرد و نرم جھونکے اعضا میں ڈھل جاتے ہیں۔ جہاں عارضوں کی سرخی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر دیتی ہے۔''

ویرانے، احتشام حسین، ص-۵۱

تمام باتوں کی روشنی میں کہا جائے گا کہ احتشام حسین نے اپنے افسانوں میں حقیقت پسندی کو اس طرح برتا کہ خارجی دنیا کی تصویر کشی اور حقیقت پسندی کا فرق واضح ہو گیا۔ اس پر اضافہ یہ کہ آپ کو اسلوب پر قابو زبان پر قدرت اور بیان کی طاقت میسر تھی۔ آپ کے اندر ایک اچھے افسانہ نگار کی پوری صلاحیت موجود تھی۔ تمام عناصر ترکیبی کے ساتھ ساتھ موضوع کا Treatment بھی آپ کے یہاں خوب ہے۔

☆☆☆

اردو افسانے کا اولین معمار: پنڈت بدری ناتھ سدرشن:
حیات و خدمات: ایک تحقیقی جائزہ

دنیش کمار
ریسرچ اسکالر
شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ملخص

سدرشن اردو ادب کی دنیا میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اور انہوں نے لگ

بھگ ہر صنف میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے مثلا:افسانہ نگاری،ناول نگاری،ڈرامہ نگاری،ادب اطفال کے لئے کہانیاں ،فلموں کے لئے کہانیاں،فلموں کے لئے گیت،نظمیں ،اخبار کی ادارت،کتابوں کی اشاعت وغیرہ وغیرہ۔مگر ان کی زیادہ تر شہرت و مقبولیت کہانی نویس اورافسانہ نگار کی حیثیت سے ہوئی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سدرشن افسانہ نگاری کی تاریخ میں اس کی بنیاد گزاروں میں سے ایک تھےتو بیجا نہ ہوگا اس لئے کہ جس دور میں پریم چند کہانی کی دنیا میں چھائے ہوئے تھےاوران کی کہانیوں کا گھر گھر چرچا تھااسی دور میں سدرشن بھی اس میدان میں وارد ہوئے اورانہوں نے ایسی شہرت پائی کہ کہانی میں سدرشن اور پریم چند کا نام ایک ساتھ لیا جانے لگا۔مگر چونکہ سدرشن ادبی میدان چھوڑ کر فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے تھے اس لئے سدرشن اس مقابلے میں بہت پیچھے رہ گئے۔

☆☆☆☆☆

جداد کشمیری برہمن سے تعلق رکھتے تھے۔کسی وقت یہ لوگ کشمیر سے نقل مکانی کر کے سیالکوت میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ان کے والد گورودتامل شملہ میں واقع گورمنٹ پریس میں پروف ریڈر کی حیثیت سے سرکاری ملازم تھے،لیکن چونکہ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے سیالکوٹ میں ذاتی مکان بنوالیا تھااس لیےان کا سارا پریوار شملہ کے بجائے سیالکوٹ ہی میں مقیم ہوگیا۔

گورودتامل اور جمنا دیوی کے کل. چار بیٹے اورایک بیٹی تھی بیٹوں کے نام: پنڈت جگن ناتھ شرما، پنڈت امرناتھ شرما، پنڈت وشمبھر ناتھ شرما اور پنڈت بدری ناتھ شرما تھےاور بیٹی کا نام پنڈت بدری ناتھ نے ابتدائی تعلیم سےلیکر میٹرک تک ''اینگلو ورنیکولر اسکول'' سیالکوٹ سے حاصل کیا۔اس کے بعد کالج میں داخلہ لیا مگر کسی وجہ سے تعلیم کو بیچ ہی میں ترک کر دیا۔مگر طالب علمی کے زمانے سے ہی انہیں نصابی کتابوں سے زیادہ ان کی دلچسپی ادبی کتب و رسائل کی جانب تھی اسی لئے وہ اپنا زیادہ تر وقت نصابی کتابوں سے زیادہ قصے کہانیاں پڑھنے میں صرف کرتے تھے۔مگراس کے باوجود پڑھائی میں بھی ہوشیار طلبا میں شمار ہوتے تھے۔ وہ اسکول اور کالج کے زمانے میں باقاعدگی سے کلاس روم میں جاتے تھےاوراساتذہ کوان سے کبھی شکایت نہیں رہی تھی اوراپنی ذہانت وفطانت کی بدولت کلاس میں

جو کچھ بھی پڑھایا جاتا تھا، اسے ذہن نشین کر لیتے تھے اور اتنے اچھے نمبر لے کر امتیازی حیثیت سے امتحان پاس کرتے تھے کہ اساتذہ اور ان کے ہم جماعت حیران رہ جاتے تھے۔

انہیں دنوں لاہور سے شائع ہونے والے رسالے ''مارتنڈ'' میں ایک مضمون بعنوان'' کچھ کر کے دکھائیں'' لکھا۔ اس کے بعد پھر انہوں نے طبع زاد کہانیاں لکھنے کی طرف رجوع کیا۔۱۹۱۳ء میں سدرشن اردو کے اخبار ''ہندوستان'' کے سب ایڈیٹر مقرر ہوئے، لیکن ایک مہینے بعد ہی وہ اسے ترک کر کے جالندھر چلے گئے جہاں انہیں ''بھارت'' کا ایڈیٹر بنا دیا گیا، لیکن کوئی ڈیڑھ سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ اس سے بھی مستعفی ہو کر لاہور چلے گئے۔ اس دوران وہ اردو کے ساتھ ساتھ ہندی میں بھی کہانیاں لکھنے کی مشق کرتے اور سب سے پہلے ۱۹۱۹ء میں ''کمل کی بیٹی'' الہ آباد سے شائع ہونے والے رسالے ''سرسوتی'' میں شائع ہوئی۔ قیام لاہور کے دوران انہوں نے معروف رسالے ''ہزار داستان'' میں بھی لکھنا شروع کیا جس کی وجہ سے ان کی شہرت میں اضافہ ہونے لگا۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنا اخبار ''چندر'' بھی نکالا مگر ناخوش گوار حالات کی بنا پر اخبار کو بند کر دینا پڑا۔ اخبار ''چندر'' کے بند ہو جانے کے بعد کچھ مدت وہ فری لانسر صحافی اور کہانی نویس کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اسی دوران انہوں نے مالی مشکلات کے باوجود اپنے مکتبہ ''رام کٹیا بک ڈپو'' کی شروعات کر دی جس کے تحت ان کی بہت سی کتابیں اشاعت پذیر ہوئیں۔ اسی میں ان کا لکھا ہوا مشہور ڈرامہ ''.دیانند'' بھی شامل ہے۔ اسی تک و دو میں ملازمت بھی کی۔ ۱۹۲۷ء کے اوائل میں اڑھائی سو روپئے ماہوار پر بطور پبلی سیٹی انچارج ان کا تقرر کانپور کی مشہور ''لال املی دولن ملز'' میں ہوئی، مگر چونکہ وہ گاندھی جی کی تحریک ''تحریک عدم تعاون'' کی حمایت و تائید کرتے تھے اس لئے جلد ہی اس منصب سے برطرف کر دئے گئے۔ البتہ کانپور آنے کے بعد ان کے لئے ایک راحت و مسرت کی بات یہ تھی کہ یہاں ان کی ملاقات ''زمانہ'' کانپور کے ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم اور مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند سے ہوئی جو بعد میں گہری دوستی میں بدل گئی۔

کانپور سے ملازمت ختم ہونے کے بعد سدرشن پھر لاہور چلے گئے جہاں ۱۹۳۱ء میں انہوں نے ایک ماہنامہ ''چندن'' کی اشاعت کی جسے ادبی حلقوں میں بڑی شہرت و پزیرائی ہوئی۔ مذکورہ رسالہ عام اردو رسائل سے اس معنی میں منفرد تھا کہ اس میں غزلیں اور نظمیں شائع نہیں کی جاتی تھیں بلکہ اس میں صرف اور صرف افسانے ہی شائع کئے جاتے تھے۔

اس کے بعد سدرشن کی زندگی میں ایک نیا موڑ نئی امید اور تازگی کے ساتھ آتا ہے۔ یعنی ۱۹۳۲ سے لیکر ۱۹۵۰ تک لگ بھگ تین عشروں پر مشتمل ایک لمبا عرصہ فلمی دنیا سے وابستہ ہو کر اپنی زندگی کا ایک قیمتی عرصہ اسی میں بسر کر دیا۔ اس دوران انہوں نے فلموں کے لئے کئی کہانیاں بھی لکھے اور گیت بھی قلم بند کئے۔ ان کی فلمی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک کامیاب کہانی کار، گیت کار اور مکالمہ نویس تھے۔ ان کی فلمی دنیا میں انہیں گراں قدر خدمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ۱۹۵۰ میں ''فلم رائٹرز ایسوسی ایشن'' قائم ہوئی تو انہیں اس کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔

سدرشن کی ادبی خدمات: سدرشن ادب برائے زندگی کے قائل تھے بلکہ انہوں نے حقیقت پسند تخلیق کے لئے اپنا قلم کو وقف کر رکھا تھا۔ وہ حقیقت پسند اور انسانیت نواز ادیب تھے اور ان کی کہانیوں اور ناولوں کے کردار زندگی سے جڑے ہوتے تھے۔ انہوں نے اخلاقی اقدار کو استحکام بخشنے کے لیے کچھ ایسے تاریخی حوالوں کو منتخب کیا اور انہیں بنیاد بنا کر اپنی تاریخی کہانیوں کی تخلیق کی۔ ان کی اہم تاریخی کہانیاں وزیر عدالت، پرانی دہلی کا آخری چراغ، مہاراجہ رنجیت سنگھ وغیرہ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ کہانیاں ملکی اور غیر ملکی ماحول اور واقعات کو بنیاد بنا کر قلمبند کی گئی ہیں اور ان میں اخلاقی اقدار کی قدر و منزلت کو پیش کیا گیا ہے۔ عورت کی عزت و تعظیم بھی ان کی کہانیوں میں ایک اہم موضوع ہے۔

انہوں نے سماجی، تاریخی، اخلاقی اور سیاسی کہانیاں لکھیں۔ خصوصاً اپنے دور کی سیاسی اُتھل پتھل اور اہم واقعات کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے کئی کہانیا میں قلمبند کیں۔ آپ نے گاندھی جی اور ان کی سودیشی اور عدم تعاون کی تحریک سے متاثر ہو کر بھی کئی کہانیاں تخلیق کیں۔ جن میں بدیشی کپڑوں کو تیاگ کر، انہیں جلا کر کھدر کے کپڑوں کو اپنا لیا جاتا ہے۔ بدیسی کپڑوں کے بائیکاٹ کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ کہیں ستیہ گرہ کی عکاسی کی گئی ہے اور کہیں مجاہدین آزادی کی قربانیوں کی۔ انہوں نے لوک مانیہ تلک کی وفات پر لکھی کہانی میں تیاگ اور قربانی کے جذبات و خیالات کی نہایت عمدہ تصویر کشی کی ہے جس میں ایک نوجوان مسلمان کے ان کی چتا میں کودنے سے متاثر ہو کر خطابوں کے پیچھے دیوانے محمد عباس بھی ملک و قوم کے لیے قربانی دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور قوم پرستی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

انہوں نے مذہبی اور روحانی اقدار کی بنیاد پر بھی کئی کہانیاں لکھیں جیسے ''دو خدا'' اور ''گورو منتر'' وغیرہ۔ فن اور ادب کے مسائل پر بھی کئی کہانیوں کا تانا بانا بُنا۔ اس طرح کی کہانیوں میں ''شاعر'' خصوصی

طور پر قابل ذکر ہے۔طنز ومزاح سے بھرپور بھی کہانیاں لکھیں جیسے ''سائیکل کی سواری'' اور ''کیرے سکانیا'' وغیرہ۔اول الذکر کہانی سائیکل کی سواری ان کی ایک ایسی مزاحیہ اور دلچسپ کہانی ہے جسے پڑھتے ہوئے قاری ان میں کھوسا جاتا ہے اور اپنی ہنسی کو روک نہیں پاتا۔پطرس کی کہانی 'مرحومہ کی یاد میں' کی طرح یہ کہانی بھی قاری کے دل ودماغ پر اپنے امٹ نشان چھوڑتی ہے اور اس میں ایسی مقناطیسی قوت ہے کہ قاری اسے ایک بار ہی نہیں بار بار پڑھتا اور محظوظ ہوتا ہے۔یہ کہانی واحد متکلم میں لکھنے کے باوجود اُن کی اپنی آپ بیتی نہیں بلکہ ایک تخیل کی اڑان ہے لیکن جس انداز سے انہوں نے اسے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اپنی ہی آپ بیتی لکھ رہے ہوں۔

سدرشن نے ایک سو سے زائد کہانیاں لکھیں ہیں اور ان کے کئی افسانوی مجموعے شائع ہوئے جن میں ''آزمائش اور دیگر افسانے''،''بہارستان''،''پارس''،''چشم و چراغ''،''چندن''،''سدا بہار پھول''،''صبح ووطن''،''قوس قزح''،''طائر خیال'' وغیرہ شامل ہیں۔

سدرشن کی افسانہ نویسی پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر تہمینہ عباس فرماتی ہیں:

> ''سدرشن کو افسانہ نگاری کے فن کی نزاکتوں کا احساس ہو یا نہ ہو، مگر ان کے بعض افسانوں کے تمام اجزا میں فنی محاسن موجود ہیں۔''

ہمارے افسانے، سید وقار عظیم، ص-۱۰۲

بالخصوص افلاس کے زیر اثر جنم لینے والی سماجی برائیوں اور ناانصافیوں کو موضوع بناتے ہوئے سدرشن نے چھوت چھات، چھوٹی عمر کی شادی، ہندو بیواؤں کے مسائل اور دیہی علاقہ جات میں تہذیب ناشناسی پر ہمدردانہ نقطۂ نظر کے ساتھ قلم اٹھایا.....فکری سطح پر مہاشہ سدرشن کی پہچان مہاتما گاندھی کے افکار کا پرچار اور تکنیکی سطح پر مخصوص نوع کی اصلاح پسندی ہے، جس کی مثال سدرشن سے پہلے محض پریم چند کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔

سدرشن کے افسانوں کا خصوصی موضوع شہر کا ہندو سفید پوش ہے اور اس کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ (مثال: اپنی طرف دیکھ کر.....صدائے جگر خراش.....اور خانہ داری سبق) دیہات کی سیاسی بیداری دوسرا موضوع ہے جو سراسر پریم چند کے تتبع میں آیا ہے۔مہاشہ سدرشن کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر متصوفانہ ہے۔ان کے کردار زندگی کے تلخ تجربہ کر کے لوبھ لالچ سے دُور ہٹتے جاتے ہیں۔حتیٰ کہ

قناعت پسندی کی حدوں میں گم ہو جاتے ہیں ۔ اس کی مثالیں افسانوی مجموعے چندن ، بہارستان، طائر خیال اور سدا بہار پھول میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔

سدرشن کی سماجی زندگی پر ان کی بیسیوں کہانیاں مبنی ہیں۔انہوں نے جو کہانیوں میں لکھا انہیں عملی زندگی میں اختیار بھی کیا۔وہ آزادی نسواں اور عورتوں کے تعلیم کے حق میں تھے۔سماجی برائیوں اور کٹرتا کی کھل کر مخالفت کی ہے۔سدرشن جی نے اس موضوع پر کئی دل پزیر کہانیاں لکھیں۔

آپ کے افسانوی موضوعات کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی فرماتے ہیں:

> ''سدرشن کے موضوعات بہت متنوع ہیں اور ان کی تخیل کی پرواز بھی کسی کم درجے کی نہیں۔ وہ زندگی کی پنہائیوں میں کبھی کبھی اتنا اونچا اڑتے ہیں کہ ان کا نظروں سے دور پہنچ جانا ہی اچھا معلوم ہونے لگتا ہے۔''

تنقیدی زاویے،ڈاکٹر عبادت بریلوی،ص-۳۱۶

سدرشن نے اپنے افسانوں کا سر چشمہ ایک جگہ نہیں رکھا ۔ وہ کبھی دیہات کی زندگی اور واقعات بیان کرتے ہیں تو کبھی شہر والوں کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہیں۔عموماً غریبوں اور دولت مندوں کی زندگی کا موازنہ ان کے افسانوں کا ماحصل ہوتا ہے جہاں وہ دکھاتے ہیں کہ امیروں کو باوجود دولت کے قناعت اور سکون نہیں ہوتا اور غریبوں کو افلاس کی حالت میں بھی طمانیت اور محبت کی لازوال دولت حاصل ہے۔سدرشن کے افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت ان کی کردار نگاری ہے۔ان کے افسانوں کے کردار ہماری زندگی کے افراد سے بالکل مطابق ہیں۔خصوصاً اوسط درجہ کی سوسائٹی کے لوگوں کے کرداروں کو وہ بیحد فطری انداز میں پیش کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ سدرشن ذات پات اور رنگ ونسل کی بنیاد پر درجہ بندی کے بھی مخالف تھے۔ان کا کہنا تھا کہ جو مذہب انسانوں کو خانوں میں تقسیم کرتا ہے وہ جھوٹا مذہب ہے۔وہ انسانیت کو ہی سب سے بڑا دھرم مانتے تھے۔پریم چند عہد کے ادیبوں میں سدرشن ایک اعلیٰ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔صوبہ پنجاب ان کی زندگی میں ہی انہیں اعزاز سے نواز چکی تھی۔وفات سے پہلے وہ مختلف امراض کے شکار ہو گئے تھے۔آخر کار ۱۶ دسمبر ۱۹۶۷ء کو ممبئی کے ''ہرکشن داس ہسپتال'' میں وفات پا گئے۔اور اردو ادب ایک منفرد ادیب وافسانہ نگار سے محروم ہو گیا۔